ناپاک جسارت کرے کہ ان تین اشیاء کا ذکر فرماتے وقت آپ کو پاجامہ یعنی شلوار، جو باقی ہر ہر جگہ یاد رہا، یاد نہیں رہا تھا۔ اور ہمیں چونکہ یاد رہا اس لئے پائچے اونچا رکھنے کا علم ہم نے اپنی طرف سے شریعت میں داخل کرتے ہوئے شریعت کا ادھورا پن دور کیا۔ ورنہ یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہے گا کہ یہ ایک سنگین غلطی ہے۔ شریعت کی آڑ میں جبری مشقت ہے۔ اور بھولے بھالے لوگوں کو ان کی کم علمی کی سزا کے طور پر جبراً جہنمی اور گناہگار بنایا جارہا ہے۔ (باقی آئندہ)

اعجاز ہے کسی کا یا گردش زمانہ!
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ!

تعمیر آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہل نوا کے حق میں بجلی ہے آشیانہ!

یہ بندگی خدائی، یہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن، یا بندۂ زمانہ

غافل نہ ہو خودی سے، کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ!

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے!
کھو گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ!

راز حرم سے شاید اقبال باخبر ہے
ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ!

روح اجتماع اور جذبۂ تعاون

علامہ شاہ محمد جعفر ندوی پھلواری

سبق آموز تمثیلی حکایت

بچوں کی کتاب میں یہ حکایت آپ نے پڑھی ہوگی کہ: کسی گاؤں میں آگ لگ گئی۔ لوگوں نے اسے بجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن آگ بڑھتی ہی گئی۔ آخر سب کو اسی میں خیر نظر آئی کہ بستی چھوڑ کر جلد سے جلد بھاگ جائیں۔ پہلے عورتوں اور بچوں کو روانہ کیا پھر جو ضروری اثاثہ اس عجلت میں لے جاسکتے تھے لے گئے۔ اس افراتفری میں دو شخص رہ گئے۔ ایک نابینا تھا اور دوسرا لنجا۔ نابینا راستہ نہیں دیکھ سکتا تھا اور لنجا چل نہیں سکتا تھا۔ ایک آنکھوں سے معذور تھا اور دوسرا پیروں سے۔ ساری بستی اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گئی۔ لیکن یہ دونوں معذور و مجبور فریاد کرتے رہ گئے۔ جب اپنی جان خطرہ میں ہو تو دوسروں کو بچانے کی فکر کون کرتا ہے؟ آگ برابر بڑھتی جارہی تھی اور قریب تھا کہ دونوں معذور بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں۔ یکایک نابینا کو ایک ترکیب سوجھی وہ ٹٹولتا ہوا لنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تم میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ۔ نابینا بیٹھ گیا اور لنجے کو سہارا دے کر اپنے کاندھوں پر سوار کرلیا اور لٹھیا کے سہارے کھڑا ہو گیا اور لنجے سے کہا کہ اب تم رستہ بتاتے جاؤ اس طرح دونوں صحیح سلامت بستی سے باہر آگئے اور آگ کی لپٹ سے محفوظ ہو گئے۔ رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا مزے کی بات کہی ہے۔

اے برادر قصہ چوں پیمانہ ایست
معنی اندروے مثال دانہ ایست

روح اجتماع کی اس سے بہتر مثال شاید ہی کوئی اور مل سکے۔ اس چھوٹے سے قصے میں اجتماعیت کے بے شمار پہلو سمٹ کر آگئے ہیں۔ نابینا اور لنجا الگ الگ شخصیت ہونے کی صورت میں جان کے خطرے سے دوچار تھے لیکن جب لنجا نابینا کے کاندھوں پر سوار ہو گیا اور دونوں ایک شخصیت بن گئے تو دونوں کی جداگانہ صلاحیتیں ایک دوسرے کے کام آگئیں۔ لنجا چل نہیں سکتا تھا مگر دیکھ سکتا تھا نابینا دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن چل سکتا تھا۔ جب لنجا نابینا کے کاندھوں پر سوار ہو گیا اور دونوں ایک وحدت میں تبدیل ہو گئے تو لنجا نابینا کی آنکھیں بن کر رستہ دیکھنے لگا اور نابینا لنجے کے پاؤں بن کر محفوظ راستے پر چلنے لگا۔ نابینا کی چلنے کی صلاحیت لنجے کی آنکھوں کے بغیر بے کار تھی اور لنجے کی بینائی نابینا کے پیروں کے بغیر بے مصرف۔ علیحدہ علیحدہ دونوں صلاحیتیں بے نتیجہ تھیں لیکن جب دونوں متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر دونوں کی جداگانہ صلاحیتیں ایکدوسرے کے کام آگئیں۔ الگ الگ رہنے کی صورت میں کسی کی جان نہ بچ سکتی تھی۔ لیکن باہم مل کر دونوں نے اپنی جانیں بچالیں۔ یہ ہے اجتماعیت کی ایک عمدہ تمثیل۔

اگر ہم اپنی پوری قوم کو اسی عینک سے دیکھیں تو صاف نظر آجائے گا اس کی بقا اجتماعیت کی روح کو اپنانے میں اور بربادی انفرادیت میں ہے۔ وہ کونسی بڑی سے بڑی صلاحیت ہے جو ہماری قوم کے افراد میں موجود نہیں؟ لیکن جو کچھ اب تک ہوتا رہا وہ ہم آپ دیکھتے رہے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغ رکھنے والے لیڈروں کی ساری توانائیاں تعمیر کی بجائے تخریب میں صرف ہوتی رہیں۔ ہر صاحب فکر نے اپنی قوتیں صرف اپنے آپ کو بنانے اور دوسروں کو بگاڑنے میں صرف کیں۔ اگر ان کے دماغ اور ان کی توانائیاں اجتماعیت کی روح سے کچھ بھی آشنا ہوتیں اور متحد ہو کر کام کرتیں تو ہمارے قومی و ملکی مسائل کب کے حل ہو چکے ہوتے لیکن فرقی تعصبات اور جماعتی اختلافات تمام انفرادی صلاحیتوں اور توانائیوں کو ضائع کرتے رہے۔ ہر ایک کی نظر میں قومی خدمت سے مقصود صرف اپنی خدمت تھی۔ فراخ دلی کی جگہ تنگ نظری کام کر رہی تھی۔ رواداری کی بجائے تعصب کارفرما تھا۔ نہ اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو نفع پہنچایا، نہ دوسروں کی توانائیوں سے خود فائدہ اٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سبھی کو ایک آگ کی لپیٹ میں آنا پڑا۔

قرآن نے اجتماعی وابستگی پر بار بار زور دیا ہے اور تفریق اجتماع سے بار بار روکا ہے۔

ایک جگہ تو بہت واضح لفظوں میں ایجابی و سلبی دونوں پہلوؤں کو یوں بیان فرمایا کہ:

واعتصمو بحبل الله جميعا ولا تفرقوا۔

اللہ کی رسی کو اجتماعی روح کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ پیدا کرو۔

اجتماعیت کی ایک مثال

یہاں جمیعاً کے معنی ''تم سب کے سب'' نہیں۔ اس کے لیے عربی میں عموماً اجمعین کا لفظ آتا ہے۔ یہاں جمیعاً سے مقصد اجتماعی اسپرٹ کے ساتھ اللہ کی رسی سے چمٹ جانا۔ اجتماعی اسپرٹ کی مثال یوں سمجھیے کہ اگر ایک گھڑی کے تمام پرزوں کو اکٹھا کر کے ایک رومال میں باندھ لیجئے اور کلاک میں رکھ دیجئے تو گھڑی نہیں چلے گی۔ گھڑی اسی وقت چلے گی جب اس کے تمام پرزے ایک مربوط اور منظم شکل میں باہم پیوستہ ہوں اور ان کے اندر اس نظم وضبط کے ساتھ ایسی ہم آہنگی ہو کہ ہر پرزہ ایک ہی مقصد کے لیے حرکت کر رہا ہو۔ بظاہر کوئی پرزہ جانب راست سے جانب چپ گردش کر رہا ہوگا اور کوئی بائیں سے دائیں گھوم رہا ہوگا اور کوئی دونوں سمتوں میں حرکت کر رہا ہوگا۔ اور کوئی بالکل ساکن بھی ہوگا لیکن سب کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ صحیح رفتار اور ٹھیک وقت بتانا۔ نظم وضبط اور ہم آہنگی کی یہی روح ہے جسے لفظ جمیعاً سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن بھیڑ کو یکجا کرنا مقصود نہیں کیونکہ پرزوں کی بے ربط یکجائی سے گھڑی نہیں چلتی۔

ہمارے معاشرے کی اعلیٰ صلاحیتیں

اس وقت ہمارے اندر اگرچہ ایسے افراد نہیں جو تمام صلاحیتوں تنہا مالک ہوں لیکن جداگانہ طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیت کے مالک موجود ہیں۔ علوم، فنون، افکار، تنظیم، امامت (لیڈرشپ)، دیانت، امانت، اخلاق، تقویٰ، سیاست وغیرہ کی وہ کونسی صلاحیت ہے جو آج ہمارے مختلف افراد میں موجود نہیں؟ لیکن ہوتا یہ رہا ہے کہ جس کے پاس جو صلاحیت ہوئی وہ اسی کو کل سمجھ کر بیٹھ گیا اور اسی بنیاد پر اپنی ایک جداگانہ پارٹی بنا کر دوسری صلاحیتیں رکھنے والوں سے بے نیاز ہو گیا۔ نہ فقط بے نیاز ہو گیا بلکہ ان صلاحیتوں کو اپنی پارٹی میں کوئی مقام ہی نہ حاصل کرنے دیا۔ بلکہ اس سے آگے ان صلاحیتوں کی ضرورت واہمیت سے بھی منکر ہو گیا۔ اگر کسی میں بڑی اچھی تنظیمی صلاحیت ہوئی تو اس نے اس صلاحیت کی اساس پر ایک فرقہ بنالیا۔ اور سمجھ بیٹھا کہ

اگر عسکری تنظیم حاصل ہوگئی تو سب کچھ حاصل ہوگیا۔ اب نہ علوم وفنون کی ضرورت ہے نہ سیاست میں کسی کی امامت تسلیم کرنے کی حاجت۔ یہی حال اہل علم کا ہوا۔ انہوں نے فقہی مسائل کا کچھ مطالعہ کرلیا تو اس ہلدی کی ایک گانٹھ کو لے کر روائتی چوہیا کی طرح عطار کی دکان کھول لی اور ہر فن میں اپنی بے شرکت غیرے امامت وامارت کا سکہ بٹھانا شروع کردیا۔ اگر کوئی سیاست کے میدان میں حسن اتفاق سے کامیاب ہوگیا تو پارٹی لیڈرشپ کی الگ دنیا بسالی اور یہ سمجھ بیٹھا کہ اسی کامیابی میں دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں سمٹ کر آگئیں۔ اور اس سے آگے کوئی چیز نہیں۔ یہی حال ''اہل روحانیت'' کا بھی ہوا کہ انہوں نے بعض اقدار کی محافظت کے نام سے ایک الگ خانقاہ کھول لی اور اپنے حلقے کو لے کر دنیاداری کے کاموں سے انقطاع کرلیا اور یہ سمجھ لیا کہ ترک دنیا کرکے آخرت حاصل کرلی جائے گی۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ:

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر ہم شبی، یہ مراقبے، یہ سجود
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
زباں نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم یہ نہیں کہتے کہ ان حلقوں کے سربراہوں کے اندر مخصوص صلاحیتیں نہیں۔ وہ بڑی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہیں لیکن وہ بہر حال جزئی ہیں، ایسی کلی نہیں جو دوسری صلاحیتوں سے بے نیاز کردیں۔ معاشرے کی تعمیر کے لیے صرف ایک یا چند ہی صلاحیتیں درکار نہیں۔ بہت سی صلاحیتیں مطلوب ہیں۔ اگر وہ سب ایک وحدت کی شکل میں بروئے کار آئیں تو ایک اور ایک ملکر یقیناً گیارہ ہوجائیں گے۔

انفرادیت کے اسباب

انقطاعی یا انفرادی طرز زندگی کے جو اسباب ہوتے ہیں وہ عموماً یہ ہیں:

۱۔ احساس شکست خوردگی۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اپنے اندر انسان قوت مقابلہ نہیں

پاتا۔۔ خواہ مادی طاقت سے ہو یا علمی طاقت سے۔۔۔ تو اپنی ٹولی الگ بنالیتا ہے۔ اس میں فراریت ہوتی ہے اور اسی فرار میں اسے اپنی محافظت وبقا نظر آتی ہے۔

۲۔ مایوسی۔۔۔ یعنی انسان جس تصور کا قیام چاہتا ہے اس کے متعلق وہ متعلقہ افراد سے مایوس ہوجاتا ہے اور اپنی جماعت الگ بنالیتا ہے اس میں بھی سعی پیہم سے گریز کا جذبہ ہوتا ہے۔

۳۔ غرور یعنی اپنے متعلق مغالطۂ نفس۔۔ گویا وہ سمجھتا ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ ایسا جامع ہے کہ اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں اسی اساس پر وہ الگ گروہ بندی کرلیتا ہے۔

۴۔ ہوس اقتدار۔۔۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک انسان یہ محسوس کرتا ہے فلاں تنظیم میں شامل رہنے سے میری ہستی نمایاں نہیں رہے گی یا لیڈرشپ دوسروں کے حصے میں آجائے گی۔ اس جذبے سے وہ کوئی نہ کوئی نکتہ نکال کر ایک علیحدہ گروہ قائم کرلیتا ہے۔

۵۔ محض فتنہ پسندی یا بے وقوفی۔۔۔ اس میں دراصل کوئی معقولیت نہیں ہوتی۔ لیکن اپنے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے کئی نکات پیدا کرلیے جاتے ہیں۔ یہ عموماً کسی کی انگیخت پر ہوتا ہے جس سے آگے چل کر کوئی صلہ ملنے کی توقع ہو۔

غرض اسی قسم کے اسباب ہوتے ہیں جن سے گروہ اور پھر گروہ در گروہ بنتے ہیں۔ اور غالباً تمام قوموں سے زیادہ اہل اسلام اس کا شکار ہوتے ہوئے ہیں۔ یہ تفریق کبھی سیاست کی وجہ سے ہوئی اور کبھی مذہب کے نام پر اختلاف اصولی بہت ہی کم نظر آئیں گے۔ زیادہ تر یہ تفریقات فروع سے شروع ہوئے اور فروع نے فروغ پاکر اصول کی جگہ حاصل کرلی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جب فروع پر زیادہ زور دیا جائے تو اصول گم ہوجاتے ہیں۔ اتحاد عمل بہر حال اصول پر ہی قائم رہنا چاہیے۔ لیکن یہ فروعی اختلافات کے ہنگاموں میں ایسا گم ہوجاتا ہے کہ اتحاد اگر محال نہیں تو دشوار تر ضرور ہوجاتا ہے۔

لایعنی مسائل کی مصیبت

ایک بڑی مصیبت یہ ہوئی ہمارے معاشرے میں اتحاد عمل کو پارہ پارہ کرنے والے اختلافات کوئی اہم مسائل نہ تھے۔ بعض بالکل بے ضرورت اور بعض قطعاً فروعی وجزئی۔ ''مسائل'' دراصل وہ ہیں جن کو ہم مسائل زندگی کہتے ہیں نہ کہ وہ جن کا تعلق نہ عملی زندگی سے ہے اور نہ

آخرت میں اس کے متعلق کوئی باز پرس ہوگی۔ مثلاً معاشرے میں کبھی ایک علمی مسئلہ خواہ مخواہ چھیڑ گیا کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ تو اولاً تو اس لایعنی مسئلے کی قوم کو دنیا یا آخرت میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے اس پر کسی قسم کی گفتگو ہی بے ضرورت تھی۔ لیکن اس پر مکالمے اور مناظر شروع ہوگئے اور دو مکاتب فکر سامنے آکر قوم دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ اس کا آسان حل یہ تھا کہ بحثِ مسئلے کی نوعیت کچھ بھی ہو آؤ ہم تم جھوٹ نہ بولا کریں اور سچائی کا ساتھ دیں۔ اور اس باب میں باہمی تعاون سے کام لیں اور دروغ کا فروغ نہ ہونے دیں۔ اسی طرح اس بحث کو ترک کردیں کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے۔ آؤ ہم سب ملکر قرآن کو اپنی عملی زندگی میں سمولیں۔ یوں ہی اس مسئلے پر گفتگو نہ کریں کہ حضور ﷺ کو خدا نے عالم الغیب بنایا تھا یا نہیں۔ بس آؤ ہم اپنے علم وفن میں بیش از بیش اضافہ کرتے جائیں۔ سیدنا مسیح علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں؟ اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ہمارا فائدہ اس میں ہے کہ ہماری قوم خود زندہ ہو۔ امام مہدی ابھی تک غار سامرہ میں چھپے بیٹھے ہیں یا نہیں! اس سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں۔ قومی مفاد اس میں ہے کہ ہر فرد قوم اپنے طرز عمل سے نگاہ خداوندی میں ہادی ومہدی قرار پائے خلافت رسول ﷺ کے اصل مستحق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ اب اس بحث میں کوئی فائدہ بجز تفریق کے حاصل نہیں۔ اس وقت ہمارا کام یہ ہونا چاہیے کہ دنیا میں نظام خلافت قائم ہو۔

ان ذہنی عیاشیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے پیچھے نماز ادا نہیں کرسکتا۔ اور ''مساجد اللہ'' میں بھی تفریق ہوگئی۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھتا۔ بلکہ ایک ''پارٹی'' دوسری ''پارٹی'' کو خارج از اسلام تصور کرتی ہے۔ ہماری تاریخ ایسے مال وجدال کی داستانوں سے رنگین ہے جس کی بنیاد اسی قسم کے غیر ضروری اور اختلافی مسائل پر رکھی گئی تھی۔ دوسرا نقصان یہ ہوا کہ مسائل کی غیر ضروری موشگافیوں کی عادت پڑگئی۔ پاکستان کے ایک مشہور شہر میں کچھ عرصہ قبل یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ سفید تھا یا سیاہ۔ ہندوستان کے ایک شہر میں اہل علم کے درمیان اس مسئلے پر مناظرہ ہوا کہ براق کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ سبحان اللہ وبحمدہ

جب اس قسم کے لایعنی مسائل چھیڑ کر فرقے بندیاں پیدا ہوجائیں تو روح تعاون بالکل ختم ہوجاتی ہے اور اجتماعیت کی اسپرٹ گیس بن کر اڑ جاتی ہے۔ اور یہ تقریباً محال ہوجاتا ہے کہ ایک فرد دوسرے فرد کی یا ایک فرقہ دوسرے فرقے کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائے یا اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے پھر وہ گویا ایسے نابینا اور ایسے لنجے بن جاتے ہیں جو آگ لگنے پر بھی افادہ واستفادہ کے فلسفے پر عمل کرنے سے قاصر ومحروم رہتے ہیں۔ اور جل مرنا انہیں زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

قرآنی ہدایت

قرآن نے اسی کافرانہ ومشرکانہ انداز زیست سے یوں روکا ہے کہ:

ان الذین فرقوا دینھم و کانو شیعاً لست منھم فی شیء۔

جو لوگ دینی فرقے اختیار کرکے گروہ گروہ ہوجاتے ہیں اے رسول! تمہارا ان سے کچھ واسطہ نہیں۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ:

ولا تکونو من المشرکین من الذین فرقو دینھم وکانو شیعاً۔

دیکھو مسلمانو! تم ان مشرکین کی طرح نہ ہوجانا جو دینی فرقے بندیاں پیدا کرکے گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔

ان دونوں تہدید آمیز آیتوں پر غور کیجئے۔ ان میں دینی فرقے بندی کو کفر اور شرک دونوں ہی قرار دیا گیا ہے۔ دینی فرقے بندی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک فرقے کی ہر بات کی حمایت اور دوسرے کی ہر چیز کی مخالفت ضروری سمجھ لی جائے۔ اسی طرح کی حمایت ومخالفت کسی دلیل یا معقولیت کی بناء پر نہیں ہوا کرتی بلکہ اس میں صرف عصبیت کارفرما ہوتی ہے اور اسی کا نام قرآنی اصطلاح میں حمیة الجاھلیہ ہے۔

اجتماعیت اور تفریق دو متضاد جذبے ہیں جو ایک جگہ کبھی جمع نہیں ہوسکتے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ قرآن دونوں کی تائید کرے وہ ایک ہی چیز کی تائید وتاکید کرتا ہے۔ (واعتصمو بحبل اللہ جمیعاً) اور دوسری سے پورے زور کے ساتھ روکتا ہے۔ (ولا تفرقوا)

جن غیر ضروری مسائل پر امت میں جدال وقتال ہوتا رہا ہے ان کی کوئی اہمیت زندگی میں نہ تھی اور نہ آج ہے۔ اس وقت تو ہمارے مسائل اور ہی ہیں۔ ہمارے مسائل یہ ہیں کہ دینی شعور کس طرح پیدا کیا جائے؟ بے روزگاری کیسے دور ہو؟ آبادکاری کیونکر ہو؟ اخلاقی تربیت کی کیا سبیل ہو؟ تعلیم کا کیا نظام ہو؟ ہمارے ملک کی بین الاقوامی ساکھ کس طرح بلند ہو؟ دوسرے ممالک سے ہمارے تعلقات کس نوعیت کے ہوں؟ صحت عامہ کس طرح بحال کی جائے؟ صنعت وحرفت میں کیونکر ترقی کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہیں آج کے مسائل جو صرف فلسفیانہ اور مناظرانہ موشگافیاں نہیں چاہتے۔ علمی حرکت چاہتے ہیں۔ یہ ذہنی عیاشیاں نہیں بلکہ قوم وملک کی بقا کا دارومدار ان ہی مسائل پر ہے۔ اس میں ہمارا صرف زبانی اتحاد مطلوب نہیں بلکہ جو شغف ہمیں غیر ضروری مسائل سے رہا کیا ہے اس سے کہیں زیادہ بے چینی ان مسائل کو حل کرنے میں درکار ہے۔ اتنی زیادہ بے چینی اور شغف مطلوب ہے کہ تفریق امت پیدا کرنے والے مسائل ان میں دب کر ختم ہو جائیں۔

علمی مسائل پر گفتگو بری چیز نہیں بلکہ بعض مرحلوں پر ضروری ہوتی ہے۔ ہر چیز پر اتفاق رائے ہونا بھی ضروری نہیں۔ اس لیے ایسی علمی گفتگو سے ۔۔ بشرطیکہ اس سے امت میں دینی تفریق نہ پیدا ہو بہت سے پہلو سامنے آجانے کی وجہ سے دماغ وذہن میں روشنی پیدا ہوتی ہے اور جمود ٹوٹتا ہے۔ اس لیے ہم اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اصل مسائل زندگی سے ہماری دلچسپیاں کم نہ ہوں اور باہمی اختلاف رائے سے تفریق امت نہ ہو بلکہ ایک دوسرے سے استفادہ مقصود ہو۔ ہر ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے فائدہ حاصل کرے اور اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو نفع پہنچائے یہی وہ روح اجتماع اور جذبۂ تعاون ہے جو قوم کے افراد کو ایک وحدت بنا دیتا ہے اور تمام مختلف صلاحیتیں اور توانائیاں سمٹ کر ایک مرکز پر آجاتی ہیں اور اس ارتکاز میں ایسی بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ کمی صلاحیتوں یا توانائیوں کی نہیں جو کچھ کمی ہے وہ روح اجتماع اور جذبۂ تعاون کی ہے اور ضرورت اسی خامی کو دور کرنے کی ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے "پرہیز" کے ثبوت پر دلائل

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل (حکومت پاکستان)

علاج معالجے کی بحث میں ایک اہم مسئلہ پرہیز کرنا ہے ہم نے اکثر ذیابیطس کے مریضوں کو مٹھائی، چاول اور میٹھے پھل کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر ان کو منع کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور ہم اللہ کی ان نعمتوں کو نہیں چھوڑ سکتے یہ کفران نعمت ہے۔ اور کئی لوگوں کو فخر سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے صاحب ہم پرہیز نہیں کرتے پھر ہم نے ان ہی لوگوں کو اس بد پرہیزی کے نتیجے میں کئی مہلک امراض میں مبتلا دیکھا، کسی کی بینائی چلی گئی کسی کے جگر میں کینسر ہو گیا اور کسی کے پیر سوج گئے، کسی کو ایسا زخم ہو گیا جس کے نتیجہ میں اس کا پیر کاٹ دیا گیا کسی کی ٹانگ کاٹ دی گئی اور کسی کی شریانیں بند ہو گئیں۔ اسی طرح ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو دیکھا جو بد پرہیزی کرتے تھے، کسی کے عضو پر فالج گر گیا اور کسی کے دماغ کا رگ پھٹ گئی، کسی کی بینائی متاثر ہو گئی۔ غرض بد پرہیزی کے نتیجہ میں لوگ زیادہ مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لیے دواء کے ساتھ پرہیز بھی بہت ضروری ہے اور قرآن مجید میں پرہیز کے متعلق بھی ہدایات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ (النساء:۴۳، المائدہ:۶)

ترجمہ۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو، یا تم نے اپنی عورتوں سے مجامعت کی، پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بیمار آدمی کو جسے پانی کے استعمال سے ضرر ہوتا ہے اس کو غسل اور وضو کے بجائے تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اور تیمم کا حکم دینا پانی کے استعمال سے منع کرنے کو مستلزم ہے، اور جس بیمار کو وضو یا غسل سے ضرر ہوتا ہو اس کو تیمم کا حکم دینا ہی پرہیز کرنے کا حکم ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ سردی کی شدت کی وجہ سے پانی کا پرہیز کیا اور غسل کے بجائے تیمم کر لیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل کی ایک سرد رات مجھے احتلام ہو گیا، مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ میں نے تیمم کیا، پھر میں نے اپنے اصحاب کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، انہوں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا اے عمرو! تم نے حالت جنابت میں اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھی ہے، میں نے آپ کو وہ سب بتایا جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا تھا اور کہا میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ (النساء:۲۹)

ترجمہ: اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۳۴)

امام بخاری نے کتاب التیمم میں اس حدیث کا اختصار سے ذکر کیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک زخمی شخص نے پانی سے پرہیز کیا اور وہ فوت ہو گیا تو نبی ﷺ نے اس پر افسوس فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، ہم میں سے ایک شخص کو پتھر آ کر لگا اور وہ زخمی ہو گیا، پھر اس کو احتلام ہو گیا تو اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا آیا کہ اس کے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ اصحاب نے کہا ہم تمہارے لیے

رخصت کی گنجائش نہیں پاتے، جب کہ تم پانی استعمال کرنے پر قادر ہو، اس نے غسل کیا اور وہ مر گیا جب ہم نبی ﷺ کے پاس گئے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر سنائی، آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے اس شخص کو قتل کر دیا اللہ ان کو قتل کرے! جب تم کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تم نے پوچھا کیوں نہیں؟ لاعلمی کا علاج تو صرف سوال کرنا ہے اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا یا پھر اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر گیلا ہاتھ پھیرتا اور باقی جسم کو دھو ڈالتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۷۲)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مریض کے لیے پرہیز کرنا ضروری ہے اور بعض اوقات بدپرہیزی کا نتیجہ موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور نبی ﷺ نے ان لوگوں کی مذمت کی جنہوں نے فتویٰ دینے میں سختی کی اور معذور کے حال کی رعایت نہیں کی رخصت کی جگہ عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس حدیث میں ان صوفیاء کے لیے عبرت کا مقام ہے جو کہتے ہیں بیمار کے لیے علاج کی رخصت پر عمل کرنا خلاف افضل ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔ اس شخص کے اصحاب نے بھی ان ہی کی طرح اس معذور شخص کو عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا جس کے نتیجہ میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ نبی ﷺ نے ان لوگوں کی مذمت کی۔ اور اس حدیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ جس شخص کو پانی سے ضرر ہو وہ پانی سے پرہیز کرے اور یہ حدیث پرہیز کے ثبوت میں بہت واضح دلیل ہے۔

نبی ﷺ نے خود بھی پرہیز کی ہدایت دی ہے اور بدپرہیزی سے منع فرمایا ہے:

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اس وقت آپ چھوارے کھا رہے تھے میں نے بھی چھوارے کھانے شروع کر دیے اس وقت میری آنکھیں دکھ رہی تھیں، آپ نے فرمایا تمہاری آنکھیں دکھ رہی ہیں اور تم چھوارے کھا رہے ہو الحدیث (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۰۴، مسند احمد ج ۴ ص ۶۱، المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۴۴)

امام احمد بن ابوبکر بوصیری متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (زوائد ابن ماجہ ص ۴۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ سید محمد بن محمد حسینی الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے شرح الشمائل میں لکھا ہے کہ جو مریض کمزور ہو اس کے لیے سب سے نفع بخش چیز یہ ہے کہ وہ پرہیز کرے۔ بعض اوقات انسان کی رغبت اور میلان اس چیز کو کھانے کی طرف راغب ہوتا ہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں پرہیز کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ آنکھ کی تکلیف میں چھوارے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۷۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ام المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور ہمارے پاس ادھ پکی (گدری) کھجوروں کا ایک خوشہ تھا، رسول اللہ ﷺ ان کھجوروں کو کھانے لگے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے، تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ٹھہرو، ٹھہرو یا علی، تم کمزور ہو، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے رہے اور نبی ﷺ کھاتے رہے، حضرت ام المنذر نے کہا پھر میں ان کے لیے چقندر اور جو لائی، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اے علی اس میں سے کھاؤ، یہ تمہارے مزاج کے موافق ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۷، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۰۷)

اس حدیث میں پرہیز کے مشروع ہونے پر واضح دلالت ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۶، مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۹، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۷، المستدرک ج

۴ ص ۲۰۷)

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیمار شخص کو ان چیزوں سے پرہیز کرانا ضروری ہے جو اس کی صحت کے لیے مضر ہیں، ہم اس جان کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہم اس بدن کے مالک ہیں ہمارے پاس یہ جسم اور جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے لیے اس جسم کو ضائع کرنا یا نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے اس لیے ذیابیطس کے مریض کو میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض کو نمکین اور چکنائی والی چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور جس کے معدہ میں السر ہو اس کو بڑے گوشت، تیز مصالحہ جات اور ترش چیزوں سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور جس کو یرقان ہو اس کو چکنائی اور گائے کے گوشت سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور جس کو عارضہ قلب ہو اس کو انڈے، گائے کے گوشت اور چکنائی سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور تمام مہلک بیماریوں میں بسیار خوری سے پرہیز کرانا اشد ضروری ہے۔

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی!
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی!
خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خون عرب سے!

اردو ترجمہ وحاشیہ "تیسیر القرآن"

تحقیق وتبصرہ: لیفٹننٹ کرنل محمد اعظم

تمہید وتعارف

قرآن مجید وفرقان حمید کا ترجمہ اور تفسیر کوئی عام اور معمولی بات نہیں ہے۔ اس پر کوئی انسان قلم تب ہی اٹھا سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق شامل حال ہوتی ہے۔ دنیا میں بہت سے علماء نے ترجمے اور تفاسیر لکھنے کی کوشش کی ہے اور اپنے اپنے لحاظ اور انداز میں اپنی تمام تر قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے قارئین تک بہترین مواد پہنچانے کی کوششیں کی ہیں۔ انہی میں ایک کوشش مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تیسیر القرآن (اردو) کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔

تیسیر القرآن (اردو) کا ترجمہ اور تفسیر جدید انداز میں اسطرح کیا گیا ہے کہ جدید سائنسی، فنی، طبی اور تاریخی معلومات کا قرآنی آیات سے تقابل کے ساتھ ساتھ قرآن کے سائنسی معجزات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حاشیہ حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی نے تحریر کیا ہے۔ اس کو شائع کرنے کا شرف اسلامک پریس "دارالسلام" وسن پورہ لاہور پاکستان نے حاصل کیا ہے۔ خط عربی مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خود نوشتہ ہے۔ جبکہ اس پراجیکٹ کے انچارج انجینئر عتیق الرحمٰن عبدالرحمٰن کیلانی کو حاصل ہے جو انہوں نے بیت الحرام مکہ المکرمہ میں ۲۸ نومبر ۱۹۹۷ء الموافق ۲۸ رجب ۱۴۱۸ھ کو تحریر کیا جس میں اس تفسیر کے مختلف پہلوؤں کو بڑے جامع اور خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

تیسیر القرآن (اردو) ایک ہی جلد میں مکمل کی گئی ہے اور یہ ۱۲۹۲ صفحات پر مشتمل تفسیری نسخہ ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شخصیت اور حالات زندگی

۱۱ نومبر ۱۹۲۳ء کو کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت ہوئی اور اسی نسبت سے کیلانی کہلائے۔ انکے والد محترم نورالٰہی ایک تہجد گزار اور متقی عالم باعمل انسان تھے۔ اس دور میں وہ قرآن پاک کے ماہر اور مشہور خطاط ہونے کی شہرت رکھتے تھے۔ اسطرح مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دینی اور دنیاوی تعلیم انتہائی اہتمام کے ساتھ حاصل کی۔ بچپن سے ہی آپکو قرآن کریم کے مطالب ومعنی سے خاصہ لگاؤ تھا۔ اور یہ ذوق عمر کے بڑھنے میں بڑھتا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں متحدہ ہندوستان کے اس دور میں آپ نے بی اے کیا جب لوگ میٹرک پاس کو دیکھنے آیا کرتے تھے۔

آپ تصانیف میں بعض ایسی ہیں کہ ماہر تعلیم انکو پی ایچ ڈی کے مقالے کی تمام شرائط کے مطابق سمجھتے ہیں۔ ذریعہ معاش کے لئے دو سال فوج میں اکاؤنٹنٹ کے عہدے پر کام کیا لیکن اسلام مزاج ہونے کی بناء پر جلد اپنے آبائی پیشہ خطاطی کیطرف متوجہ ہوئے اور خوب نام پیدا کیا۔ پچاس کے قریب قرآن مجید ہاتھ سے تحریر کیئے۔ جو کہ تاج کمپنی اور فیروز سنز لاہور نے طبع کیئے۔ تیسیر القرآن (اردو) میں بھی عربی خطاطی مولانا مرحوم کی اختیار کی گئی ہے۔ آپکی خطاطی کے کئی نادر نمونے عجائب گھروں اور نمائشوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ آپکے لگ بھگ ایک سو مقالات دینی رسائل میں شائع ہوئے۔ مقالات کے عنوان "اصلاح معاشرہ" اور "پیغمبر اسلام داعی امن و اخوت تھے" تھے دو مرتبہ آپنے قومی سیرت کانفرنس میں انعام بھی حاصل کیا۔ آپکے تدریسی اور دینی کاموں میں سرفہرست تدریس القرآن والحدیث للبنات وسن پورہ لاہور کا قیام ہے۔ یہ مدرسہ آپنے اپنی انتہائی دینی ذوق رکھنے والی اہلیہ حمیدہ بیگم کے تعاون سے جاری فرمایا۔ جو خود بھی حافظ قرآن تھیں۔ خواتین کی دینی تعلیم وتربیت کے لیئے لاہور میں سب سے بڑا اور اہم مدرسہ بھی ہے۔ اس مدرسہ کا انتظام مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کیلانی نے سنبھال رکھا ہے۔ جبکہ مدرسہ کے اندر کے معاملات مرحوم کی بیٹی خوش اسلوبی سے نبھا رہی ہیں۔